© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

یوں تو بھٹو صاحب کے عہدِ اقتدار ہی میں، اخفا کی ساری کوششوں کے باوجود، اُن شدید بدعنوانیوں پر سے وقتاً فوقتاً پردہ اُٹھتا رہتا تھا، جن کا ارتکاب وہ خود، یا اُن کی شہ پاکر، اُن کے مصاحبین بلاخوف وخطر کرتے تھے، لیکن ان کا تسلط ختم ہونے کے بعد ان بدعنوانیوں کی جو تفصیلات سامنے آرہی ہیں اُنہیں سُن کر ہر صاحبِ دل انسان لرز اُٹھتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کے تختِ اقتدار پر انسان نہیں بلکہ انسان نما بھیڑیے قابض تھے جنہیں انسانی خون کی چاٹ لگی ہوئی تھی۔ سفاکی، زیردست آزاری اُن کا محبوب مشغلہ تھا اور قتل، غارت گری اُن کا دل پسند پیشہ۔ وہ پاکباز عورتوں کی ردائے عصمت تارتار کرنے کو اپنا کمال سمجھتے تھے اور دھوکہ، فریب، غبن، ظلم و ناانصافی اور اقربا پروری جیسے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب گویا اُن کی فطرت میں داخل ہو چکا تھا۔ آج اگر ہلاکو خان اور چنگیز خان بھی زندہ ہوتے تو وہ غریب عوام کے ان "بہی خواہوں" اور "غم گساروں" کی کارگزاریاں دیکھ کر کان پکڑ جاتے۔

عقل یہ باور نہیں کرتی کہ حکمرانوں کا ایک مختصر سا ٹولہ، جسے عوام کی کچھ زیادہ حمایت بھی حاصل نہ تھی، اِس ملک کی اعلیٰ تربیت یافتہ اور منظم انتظامیہ سے اُس کی مرضی کے علی الرغم اس قسم کے انسانیت سوز کام لینے میں آسانی سے کامیاب ہو گیا۔ انسان بہرحال انسان ہے، وہ پہلو میں دل اور دل میں ضمیر رکھتا ہے، جو اگر بالکل ہی مُردہ نہ ہو چکا ہو تو اُسے بُرائی اور ظلم و زیادتی کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے۔ بھٹو صاحب کے رفقاء اور اُن کی انتظامیہ نے، اُن کا اشارہ پاکر، یا محض اُن کی خوشنودی کی خاطر، بے گناہ لوگوں پر جس ڈھٹائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ دستِ ستم دراز کیا اُسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ چند قابلِ احترام مستثنیات کو چھوڑ کر حکمران طبقے اور انتظامیہ میں کوئی فرد بھی ایسا نظر نہیں آتا جسے صاحبِ کردار اور باضمیر شخص کہا جا سکے۔ اقتدار کے پجاریوں کی اس بھیڑ میں چراغ لے کر کسی ایسے انسان کی تلاش کیجیے جس کا ضمیر زندہ ہو اور وہ اس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے "بڑے صاحب" کی برہمی مول لینے پر آمادہ ہوا ہو تو آپ کو مشکل ہی سے گنتی کے چند افراد مل سکیں گے۔ ہماری انتظامیہ نے حاکمانِ وقت، خصوصاً "عوامی حکومت" کے دور میں بے بس اور مظلوم عوام کو جس طرح ظلم و تشدد کا تختۂ مشق بنایا ہے، اِس سے انتظامیہ کی بے ضمیری اور شقاوتِ قلبی کی نہایت ہی وحشت ناک تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔ اسے دیکھ کر انسان یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ ضمیر نام کی کوئی چیز انتظامیہ سے تعلق رکھنے والے افراد میں سرے سے موجود ہی نہیں اور اگر کبھی موجود تھی بھی تو ملازمت اختیار کرنے سے پہلے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ چنانچہ اب وہ ضمیر اور ایمان سے یکسر عاری ہو کر حکمرانوں کے ہاتھ میں محض آلۂ کار ہیں، جنھیں وہ جس جگہ چاہیں اور جس موقع پر چاہیں بلا دریغ استعمال کر سکتے ہیں۔

ممکن ہے آمرانہ عزائم رکھنے والے ظالم حکمرانوں کے لیے یہ اندوہناک صورتِ حال اطمینان بخش ہو اور وہ اسے انتظامیہ اور کارکنوں کا جذبۂ اطاعت گزاری سمجھ کر اُس پر مسرور ہوں، لیکن قوموں کے لیے اُن کے افراد کی بے ضمیری اجل کا پیغام ہوتی ہے۔ قوموں کی بقا، ان کا وقار، اُن کی صحت مندانہ نشوونما اور ان کی فلاح و کامرانی کا سارا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ اُن کے اندر صاحب ایمان، مضبوط اخلاق کے مالک، حساس، خوددار اور باضمیر افراد کس قدر تعداد موجود ہے۔ قومیں چاپلوس اور عزتِ نفس سے محروم اور بے ضمیر لوگوں سے نہیں بنتیں، بلکہ باعزت، جراُت مند اور صاحبِ عزم و ہمت افراد ہی انھیں نشوونما دیتے اور قوت و توانائی فراہم کرتے ہیں۔ جو لوگ چند سکّوں کی خاطر یا حکمران طبقے کی خوشنودی کی غرض سے یا دوسرے دنیوی مفادات کے پیشِ نظر ہر ناجائز کام کرنے پر آمادہ ہو جائیں وہ آخر کسی معاشرے کو ظلم و استبداد کی یلغار سے کس طرح بچا سکتے ہیں۔

کوئی صاحبِ اقتدار از خود کسی قوم اور اُس کے افراد کو بخوشی آزادی دینے پر تیار نہیں ہوتا، بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا فطری رجحان عوام کے حقوق سلب کرنے کی طرف ہی ہوتا ہے الّا یہ کہ اُس کا دل خشیت الٰہی سے معمور ہو۔ چنانچہ جب تک لوگوں کے اندر اپنے حقوق کے تحفظ کا پورا پورا احساس پیدا نہیں ہوتا اور اُس مقصد کے لیے وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے پر آمادہ نہیں ہوتے، اس وقت تک اُن کے حقوق کو خطرہ ہی لاحق رہتا ہے۔ کیونکہ حکمران برابر اس تاک میں رہتے ہیں کہ عوام آزادی اور بنیادی حقوق کے معاملے میں ذرا غافل ہوں اور وہ انہیں فوراً غصب کرنے کی تدبیر کریں۔

آزادی خداوند تعالیٰ کی عطا کردہ ایک عظیم نعمت ہے لیکن اس نعمت کے لیے سپاس گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ اوّلاً اس کی پوری طرح حفاظت کی جائے۔ اس معاملے میں تساہل کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے دل میں خالقِ کائنات کے اس عطیے کی کوئی قدر نہیں۔ ثانیاً ہم اس نعمت کو اسی طرح استعمال کریں جس طرح اور جس انداز میں منعم حقیقی نے ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ اس کی حفاظت کے معاملے میں غفلت اس نعمت کی ناقدری اور اس کا ناجائز استعمال اس کی بے حرمتی ہے جسے اللہ رب العزت کی غیرت کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔ جو قومیں قدرت کے اس عطیے کے ساتھ بے پروائی اور زیادتی کی روش اختیار کرتی ہیں انھیں جلد ہی اس نعمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

اللہ کسی نعمت کو جو اُس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے طرزِ عمل کو نہیں بدل دیتی۔

(الانفال ۵۳)

جہاں تک اس نعمت کی پاسبانی کا تعلق ہے یہ ہر فرد کا بحیثیت فرد اور ہر طبقے کا بحیثیت اجتماعی قوت انسانی فریضہ ہے۔ عوام اس کے تحفظ کے لیے جس قدر حساس اور چوکس ہوں گے اسی نسبت سے آزادی کے دشمن اور انسانی حقوق کے لٹیرے خوفزدہ ہو کر اُن کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی بھی جرأت نہ کر سکیں گے۔ جو معاشرہ اس نعمت کا صحیح معنوں میں قدر دان ہوتا ہے اُس کی ساری قوتیں مل کر اُس کی حفاظت کرتی ہیں۔ مضبوط رائے عامہ ایک ناقابلِ تسخیر حصار کی حیثیت سے اس کی طرف بڑھنے والے ہر قدم کو روکتی ہے۔ دیانتدار اور باضمیر انتظامیہ بگڑے ہوئے اصحابِ اقتدار کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناپاک عزائم کو بروئے کار لانے میں پوری قوت سے مزاحم ہوتی ہے اور آزاد، بیدار مغز اور حق و انصاف کی علمبردار عدلیہ ظالم حکمرانوں اور عوام کے مابین ڈھال بن کر بے گناہ لوگوں کو حاکموں کی چیرہ دستیوں سے بچاتی ہے۔ کسی معاشرہ کی آزادی کے یہ تین بڑے محافظ ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک محافظ بھی اپنے فرض کی انجام دہی میں ناکام رہے یا اپنے ضمیر کو ظالم حکمرانوں کے پاس رہن رکھ کر ان کا آلہ کار بن جائے تو پھر اس قوم سے آزادی کی نعمت چھن جاتی ہے۔

جو لوگ اس ملک کے فی الحقیقت خیر خواہ ہیں انہیں آزادی کے ان تینوں پاسبانوں کے کردار کا بے لاگ جائزہ لے کر دیکھنا چاہیے کہ کیا ان میں یہ قوت اور جرأت موجود ہے جس سے پاکستان میں آزادی کا تحفظ کیا جا سکتا ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام کے اندر اب ماضی کے مقابلہ میں کافی حد تک بیداری پیدا ہو چکی ہے۔ خصوصاً حالیہ عوامی تحریک میں بھٹو ازم جیسی ظالمانہ آمریت کے خلاف وہ جس بے جگری سے لڑے ہیں وہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اس ملک کے باشندگان ایک آزاد قوم کی حیثیت سے عزت و وقار کے ساتھ زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ ان کے اس عزم کا ثبوت ایوب خان کے خلاف ملک گیر تحریک سے بھی فراہم ہوتا ہے۔ لیکن اس خوش کن حقیقت کے اعتراف کے باوجود اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عوام کے اندر گو آزادی کی تڑپ اور اپنے حقوق کے تحفظ کی آرزو بدرجہ اتم موجود ہے لیکن ابھی تک وہ اس آرزو کو مضبوط اجتماعی رائے کے سانچے میں ڈھال نہیں سکے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب کسی ظالم حکمران کی چیرہ دستیاں حد سے بڑھ جاتی ہیں تو عوام بعض رہنماؤں کی تحریک پر سفاکوں کے خلاف بڑی پامردی کے ساتھ صف آرا تو ہو جاتے ہیں اور اس وقت تک محاذ پر برابر ڈٹے رہتے ہیں جب تک کہ ظالموں سے تخت اقتدار چھین نہیں لیا جاتا۔ لیکن اسے اپنی جدوجہد کی آخری منزل سمجھ کر پھر لمبی تان کر سو جاتے ہیں اور انہیں اس بات کی قطعاً کوئی پروا نہیں رہتی کہ اب تختِ اقتدار کس کے قبضہ میں جا رہا ہے اور وہ حکمرانی کے بارے میں کس قسم کے نظریات رکھتا ہے۔ جو شخص بھی اس ملک کے عوام، ان کے اجتماعی ضمیر اور رائے عامہ کا مطالعہ کرے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہاں کے عوام میں ہوش سے زیادہ جوش غالب ہے۔ وہ وقتی ہیجان کے تحت پہاڑوں سے ٹکرا سکتے ہیں اور اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینے میں بھی متامل نہیں ہوتے لیکن وہ کسی کام کو بھم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مستقل طور پر کرنے کے خوگر نہیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن کا جوش و خروش، اُن کا ہیجان و اضطراب، اُن کے بلند ولولے اور عزائم کسی ٹھوس رائے عامہ کی تشکیل نہیں کر سکتے۔ وہ آناً فاناً بھڑک اٹھتے ہیں اور شعلۂ مستعجل کی طرح فوراً بجھ جاتے ہیں۔

آپ تحریک پاکستان کے آغاز سے لے کر اس وقت تک کے حالات کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آخر دہ ملک جو مسلمانوں نے آگ اور خون کے سمندر میں سے گزر کر حاصل کیا ہے وہاں اُن کی ملّی آرزوئیں کیوں پروان نہیں چڑھ پاتیں؟ اُن کے اپنے بھائی بند جب تک اقتدار سے محروم رہتے ہیں ان آرزوؤں کا بڑے والہانہ انداز میں تذکرہ کرتے اور اپنی تقریروں اور بیانات کے ذریعہ عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ یہ آرزوئیں اُن کے دلوں کی دھڑکنیں ہیں اور وہ انہیں کی تکمیل کی خاطر مسندِ اقتدار پر فائز ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن جونہی عنانِ اختیار اُن کے ہاتھ میں آتی ہے وہ سارے وعدے بھلا کر اپنے دِل کی اِن دھڑکنوں کے خلاف معاندانہ روش اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے وسیع اختیارات سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے اِس بات کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح یہ قوم اپنی دینی آرزوؤں اور اُمنگوں سے بے تعلق ہو کر اُن خطوط پر آگے بڑھنے کے لیے آمادہ ہو جائے جو مغربی تہذیب و تمدن نے متعین کیے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آخر حکمرانوں کے اس نہایت ہی مختصر سے گروہ کو پوری قوم کے عزائم، اس کی آرزوؤں اور اُس کے مقصدِ حیات کے خلاف سازش بلکہ بغاوت کی جرأت کیونکر ہوتی ہے؟ وہ کونسا سہارا ہے جس کے بل پر وہ اتنا خطرناک کھیل کھیلنے کی بار بار جسارت کرتا ہے؟ اِس کی بڑی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ برسرِ اقتدار طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ قوم بدلتے ہوئے حالات میں سطحی جذباتیت کا تو خوب مظاہرہ کرتی ہے لیکن اگر چند دلکش نعرے لگا کر، کچھ دلفریب وعدوں سے بہلا کر اور دین کے نام پر بعض نمائشی کام کر کے اُس کے جذبات کو وقتی طور پر ٹھنڈا کر دیا جائے تو پھر طویل مدت تک یہ حکمرانوں کی کارگزاریوں سے بے تعلق رہتی ہے۔ اِس میں حاکموں کے مسلسل احتساب کی استعداد، طاقت اور حوصلہ مندی نہیں۔ کسی قوم کے اندر یہ صفات رائے عامہ کی قوت سے پیدا ہوتی ہیں اور بدقسمتی سے یہاں کی رائے عامہ کوئی مؤثر اور پائیدار صورت اختیار نہیں کر سکی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منظم رائے عامہ کے فقدان کی وجہ سے اس ملک کی انتظامیہ میں بھی زبردست بگاڑ پیدا ہوا ہے۔ آجکل ملک کی مختلف عدالتوں میں نہایت اونچے سرکاری عہدیداروں کے جو بیانات اور اعترافات سامنے آ رہے ہیں اُن سے اس ملک کی نوکرشاہی کی ضمیر فروشی، بزدلی، دنیوی مفادات کی پرستش اور اخلاقی دیوالیہ پن کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے انہوں نے جس قسم کی حیا سوز اور ظالمانہ کارروائیاں کی ہیں وہ اس بات کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ ان عہدیداروں کا معبود بلا شرکتِ غیرے بھٹو تھا اور انہیں صرف اس آمرِ مطلق کی رضا ہی مطلوب تھی۔ وہ اسی کو اپنا رازق اور مالک سمجھتے تھے اور ملک کی عام آبادی جو اپنے وسائل سے کہیں زیادہ بڑھ کر انہیں زندگی کی ساری سہولتیں فراہم کرتی تھی، اُن کی نظر میں مجرم اور گردن زدنی تھی۔ درآنحالیکہ انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ عوام کے خادم ہونے کی حیثیت سے وہ عوام کا احترام کرتے اور اُن کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے پوری طرح مستعد رہتے۔ اس ملک کے سرکاری ملازمین کی فکر اس حد تک مفلوج ہو چکی ہے کہ وہ ایوانِ حکومت میں عوامی نمائندوں کی چاکری کے لیے تو ہر وقت کمربستہ رہتے ہیں اور اُسے اپنی انتہائی خوش بختی اور سعادت مندی خیال کرتے ہیں لیکن جن عوام نے اپنے ان نمائندوں کو ایوانِ حکومت تک پہنچایا ہے اور جن کے ایثار اور قربانی سے یہ نمائندے اور نوکرشاہی کا پورا لاؤ لشکر زندگی کی ساری آسائشیں حاصل کرتا ہے، اُن کی آرزوؤں اور تمناؤں کا ان کے دلوں میں قطعاً کوئی احترام نہیں ہوتا۔ عوام اپنے انہی نمائندوں اور ملازمین کے ہاتھوں ہر طرح کے دُکھ اٹھاتے ہیں؛ ہر قسم کی تعذیب کا نشانہ بنتے ہیں۔ دنیا میں اس سے بڑی خیانتِ مجرمانہ اور احسان فراموشی اور کیا ہو سکتی ہے؟

پاکستان میں منظم رائے عامہ نہ ہونے کی وجہ سے عوام اور خواص دونوں کے اخلاق تباہ ہوتے اور اگر تباہی کی رفتار یہی رہی تو وہ دن دُور نہیں جب پوری قوم اخلاقی احساس سے محروم ہو جائے گی۔ کسی معاشرہ کا اخلاقی شعور اس کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح کسی فرد کی کمر میں پیوستہ ہڈی کے مضبوط حلقے اس کے جسم کو سیدھا اور چاق چوبند رکھتے ہیں، اسی طرح کسی قوم کا اخلاقی احساس اسے عزت و وقار کے ساتھ زندہ رہنے کی قوت عطا کرتا ہے۔ منظم رائے عامہ اس اخلاقی حس کی پرورش کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ جب کسی قوم کا اجتماعی ضمیر مضمحل اور کمزور پڑ جاتا ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُس میں بڑے لوگوں کی بداعمالیوں اور چیرہ دستیوں کے احتساب کا حوصلہ اور ہمت باقی نہ رہے تو اس بدنصیب قوم کے اندر مجرمانہ ذہنیت بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کرتی ہے۔ خصوصاً ضمیر فروشی کا روگ برق رفتاری کے ساتھ اس کے مختلف طبقوں کے اندر پھیلتا چلا جاتا ہے۔ جب عوام و خواص کو اِس امر کا یقین ہو کہ وہ جو چاہیں بلا خوف و خطر کرتے رہیں اور رائے عامہ کا محتسب اُن کا محاسبہ نہ کرسکے گا تو پھر لے دے کر انہیں صرف حکومت ہی کے احتساب کا کھٹکا رہ جاتا ہے جس کا تدارک وہ حکومت کا ہمنوا بن کر بڑی آسانی سے کر لیتے ہیں۔ ایک طرف بگڑی ہوئی حکومت کو اپنی ظالمانہ اور سفاکانہ کارروائیوں کے لیے عوام میں سے اپنے حامی، مددگار بلکہ قصیدہ گو درکار ہوتے ہیں اور دوسری طرف معاشرے کے شیاطین دھاندلیوں اور دراز دستیوں کی بازپرس سے بچنے کے لیے ہمیشہ اپنے آپ کو حکومت کا دست نگر محسوس کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظالم حکومت اور معاشرہ کی ساری شر پسند قوتیں مل کر عوام کو ظلم و زیادتی کا تختۂ مشق بناتی ہیں اور اس طرح پوری قوم ایک خوفناک عذاب میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں کے پاس اِس وقت ملک کی زمام کار ہے یا جن ہاتھوں میں یہ زمامِ کار منتقل ہونے والی ہے وہ اگر نیک نیتی کے ساتھ مسلم قوم کے اخلاقی عوارض دور کر کے اس ملک میں ایک صحت مند معاشرہ کو تشکیل دینے کے آرزومند ہیں تو انہیں اپنی اولین فرصت میں اِن دو کاموں کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

- انسان کے اندر جو انسان چھپا بیٹھا ہے اس کی اصلاح و تربیت کا مؤثر بندوبست۔ جس قدر اندر کا انسان صاحبِ ایمان اور باضمیر ہوگا اسی قدر وہ غیر اخلاقی ترغیبات و ترہیبات سے محفوظ رہے گا اور اِس طرح اِس میں ناجائز دباؤ کے سامنے ڈٹ جانے کی ہمت پیدا ہوگی۔
- خارجی طور پر رائے عامہ جس قدر مضبوط اور منظم ہوگی اُسی نسبت سے مجرموں کے حوصلے پست ہوں گے اور وہ کوئی غلط اقدام کرنے سے خائف ہوں۔ اس کے علاوہ لوگوں کے اندر پھیلا ہوا یہ غلط تاثر بھی زائل ہوگا کہ رائے عامہ کی بیداری اور پاسداری چنداں ضروری نہیں بلکہ اصل کام کسی نہ کسی طرح اقتدار پر قبضہ کرنا ہے، کیونکہ اقتدار حاصل ہو جانے کے بعد عوام حکمرانوں کا محاسبہ کرنے کے بجائے ان کی مدح سرائی کو اپنا قومی فریضہ سمجھنے لگتے ہیں۔

© rasailojaraid.com